لگ رہی تھی گھر جاکر تاباں صاحب نے نوکروں کو کچھ ہدایات دیں اور مجھ کو غزل سنانے لگے جب دس بارہ غزلیں سنا چکے تو نوکر کھانا لے کر آیا۔ فرمایا رکھدے۔ وہ غزلیں سناتے چلے جاتے تھے اور میرا بھوک کے مارے بُرا حال تھا میں نے عرض کیا اب کھانا کھا لیجئے۔ مگر وہاں تو استغراق کی کیفیت تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر میں نے تقاضا کیا فرمایا تم کھالو چنانچہ مجبور ہو کر میں نے تنہا کھانا کھایا۔ اور وہ غزلوں پر غزلیں سناتے رہے اس طرح انھوں نے غالباً ۳۰، ۳۵ غزلیں سنائیں = خدا کی پناہ شطرنج بھی بہت عمدہ کھیلتے تھے اور اس میں بھی انہماک کا یہی حال تھا۔

نہایت وجیہ اور خوبصورت، وسیع الاخلاق اور مشرقی تہذیب اور بالخصوص دہلی کی روایتی اور خاندانی شرافت کے نمونہ تھے۔ سائل صاحب ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔

۷ راپریل ۱۹۱۷ء کو ہاپوڑ کے مقام پر ابن علی صاحب رفیق نے جو مشاعرہ منعقد کیا تھا اس میں نواب احمد سعید خاں طالب اور نواب شجاع الدین احمد خاں تاباں بھی تشریف لے گئے تھے مگر اسٹیشن پر ان کے لئے سواری کا کوئی خاطر خواہ انتظام منتظمین مشاعرہ نے نہیں کیا جس سے ان کو تکلیف پہنچی بہرحال اسٹیشن سے ایک بگھی میں سوار ہو کر مقام مشاعرہ کی طرف چلے۔ راستے میں گھوڑا بھڑک گیا اسٹیشن واپس آگئے اور دہلی روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پر حضرت نوح ناروی موجود تھے تاباں صاحب نے دیکھ کر لپٹا لیا اور فرمایا ایک مطلع ہوا ہے، سُنایا۔ نوح صاحب نے داد دی فرمایا کہ اگر مشاعرہ میں پڑھتا تو چھتیں اُڑ جاتیں نوح صاحب نے فرمایا حضرت آپ کیا فرماتے ہیں بلکہ آسمان پھٹ جاتا اس کے بعد عرض کیا کہ چچا جان تو ناراض ہو کر واپس جا رہے ہیں آپ کیوں ——— تشریف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا چچا جان کو چھوڑ کر میں مشاعرے میں کس طرح شریک ہو جاؤں؟ چنانچہ دونوں چچا بھتیجے دہلی واپس آگئے۔

لہ یہ واقعات حضرت نوح ناروی سے معلوم ہوئے۔

تاباں اور سائل سے حکیم اجمل خاں کے بالکل برادرانہ تعلقات تھے۔ حکیم صاحب کے دیوان خانے میں عام طور پر رات کے وقت مجلسِ احباب ہوتی تھی اس میں ہر دو حضرات اکثر شریک ہوتے تھے اور دیگر مشاغل و تبادلہ خیالات کے ساتھ شعر و سخن کا شغل بھی ہوتا تھا۔ تاباں صاحب سے حکیم صاحب نے کچھ فارسی کلام میں اصلاح بھی لی تھی۔ تاباں داغ کے کلام کو بازاری کلام کہتے تھے اور ان کے کلام کی تعریف سے چڑ جاتے تھے حکیم صاحب گاہ گاہ اپنی مجلس میں یہ لطیف مذاق اس طرح کیا کرتے تھے کہ خود تو نہیں مگر کسی دوسرے شخص کو اشارہ کر دیتے تھے جو مجلس میں اسوقت تک داغ کے کلام کی تعریف کرتا جب تک تاباں مشتعل نہ ہو جاتے۔ بالعموم آدابِ مجلس کے پابند تھے مگر جب مشتعل ہو جاتے تھے تو پھر کسی کا احترام ملحوظ نہ رہتا تھا جو موقعہ میں آتا تھا بک دیتے تھے۔ جس وقت یہ جنگ تاباں اور سائل دونوں بوڑھے بھائیوں میں واقع ہوتی تھی تو انسانی طاقت کا کام نہ تھا کہ ہنسی کو ضبط کر سکے۔ ۱۹۱۳ء میں جبکہ حکیم صاحب تبدیل آب و ہوا کی غرض سے اوکھلے میں قیام پذیر تھے یہ دونوں بھائی اور دیگر اراکین مجلس وہاں جمع ہو گئے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر مجلس مشاعرہ گرم رہی، احباب کی جانب سے ان کے بہترین طرزِ ادا اور معنوی خوبیوں پر دادِ سخن ہو رہی تھی اس دوران میں حکیم صاحب نے سائل صاحب کو اشارہ کیا، وہ حکیم صاحب کا منشاء سمجھ گئے اور دوزانو ہو کر داغ کا کچھ کلام پڑھا اور مافوق العادت الفاظ میں تعریف کرنی شروع کی۔ تاباں صاحب کا پارہ چڑھنا شروع ہوا۔ پھر سائل صاحب نے بھائی کی طرف رخ کر کے عرض کیا بھائی صاحب گستاخی معاف ہو داغ کی طرح شعر کہنا کوئی خالہ جی کا گھر تو نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت داغ نازک خیالی اور جذبات آفرینی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور قادر الکلام بھی ایسے تھے کہ ایک گھنٹے میں پچاس شعر بلا تکلف لکھ لیتے تھے بھلا تاباں میں اتنی تاب کہاں تھی کہنے لگے ابے تجھ کو شعر سمجھنے کی اور اس کو شعر کہنے کی لیاقت ہی کیا ہے۔ کیا قلم برداشتہ شعر لکھنا ہی معیارِ سخندانی ہے۔ اگر یہی ہے تو مصرع

کہہ - جناب سائل نے ادب کے ساتھ مصرع دیا۔ سنتے ہی ادنیٰ تامل کے ساتھ تاباں نے یہ شعر پڑھا

شفق بن کر چڑھا ہے چرخ کے سر پہ لہو میرا   عدو میرا نہ تو میرا نہ چرخ فتنہ جو میرا

شعر سنتے ہی مجلس پھڑک اٹھی حکیم صاحب نے کھڑے ہو کر تاباں کو گلے لگالیا تاباں کا یہ حال تھا کہ فرطِ غضب سے آنکھیں سرخ تھیں منہ سے کف جاری تھا ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے پنکھا جھلا گیا۔ پانی کے چھینٹے دیتے گئے جب ذرا حواس بجا ہوئے تو بے تحاشا گالیاں دینی شروع کیں۔ سائل صاحب ہاتھ باندھے سر جھکائے ہوئے سب کچھ سنتے رہے جب تھک گئے تو کہنے لگے کہ اب زیادہ گالیاں دینے کی طاقت نہیں رہی لہٰذا چوٹی کی ایک گالی اور دیتا ہوں کہ شہاب الدین کے نطفے سے یا میں نہیں یا تو نہیں[1]۔

حکیم صاحب چونکہ خود بھی نہایت سخن فہم اور سخن سنج ادیب اور شاعر تھے اس لیے ان دونوں حضرات کی بہت قدر کرتے تھے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ حکیم صاحب ہر اہلِ علم کے سچے قدردان اور محب تھے۔

حضرت تاباں کی شادی مرزا باقر علی خاں کامل بن عارف کی بڑی صاحبزادی محمد سلطان بیگم (عرف جندو بیگم) سے ہوئی تھی۔

کچھ عرصے حیدرآباد میں بھی وظیفہ خوار رہے اور آخر میں مستقل طور پر دہلی میں رہنے لگے تھے مہرولی میں اپنے دادا کے پائنتی اور چچا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کی اہلیہ محترمہ بقیدِ حیات ہیں اور محلہ بلیماران میں سکونت پذیر ہیں۔ اولاد کوئی نہیں ہوئی۔ تاباں کے انتقال کے بعد ان کی بیگم صاحبہ سے سائل مرحوم کے کچھ خاندانی مناقشات اور قانونی کشمکش بھی چلتی رہی اور یہ اختلاف آخر تک رہا مگر سائل صاحب کے انتقال کے وقت جب

[1] حیات اجمل مصنفہ شفاء الملک ص ۱۹۲ مصنف حیات اجمل نے شہاب الدین کے بجائے ریاض الدین لکھا ہے یہ غلط ہے

بیگم تاباںؔ سے سائلؔ صاحب کو مہرولی میں دفن کرنے کی اجازت لی گئی تو انھوں نے نہایت فراخدلی سے اجازت دے دی اور فرمایا میرا اس کا اختلاف زندگی تک تھا اب کوئی اختلاف نہیں[1]،

مرزا بہاء الدین احمد خاں طالبؔ | نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقبؔ کے منجھلے صاحبزادے مرزا بہاء الدین احمد خاں طالبؔ تھے بروز شنبہ ۳ رشعبان ۱۲۷۹ھ مطابق ۲۴ رجنوری ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نے مادۂ تاریخ کہا ابوالاعیان نور الدین علی خاں (۱۲۷۹ھ)، ابتداء میں مرزا علی حسین خاں شاداںؔ اور میرزا عبد الغنی ارشدؔ سے استفادہ کرتے رہے دہلی میں پولیس انسپکٹر تھے ان کی شادی زبیدہ بیگم سے ہوئی تھی صرف ایک صاحبزادی محمود سلطان بیگم چھوڑیں جو سرذوالفقار علی خاں کو منسوب ہیں۔ محمود سلطان بیگم کے دو صاحبزادے رشید علی خاں خورشید علی خاں اور دو صاحبزادیاں قدسیہ سلطان قیصر سلطان مجھے معلوم ہیں۔ مرزا طالبؔ کا انتقال ریاست اوجین میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

حضرت سائلؔ مرزا بہاء الدین سے چھوٹے اور ان سے چھوٹے مرزا ممتاز الدین احمد خاں مائلؔ تھے۔ مرزا عبد الغنی ارشدؔ سے اصلاح لیتے رہے۔ انکا نکاح داغؔ کی سالی کی نواسی (لاڈلی بیگم) سے ہوا جو داغؔ کی منھ بولی بیٹی ہیں۔ ان کے صاحبزادے مرزا ناصر الدین عرف ناصر مرزا ہیں مائلؔ صاحب کے انتقال کے وقت ناصر مرزا کی عمر تقریباً ۵ سال تھی۔ مائلؔ صاحب قدم شریف میں مدفون ہیں۔

لاڈلی بیگم کے بیوہ ہو جانے کے بعد سائلؔ صاحب کی والدہ نے یہ مناسب سمجھا کہ گھر کے گھر میں ہی یہ رشتہ ہو جائے تو بہتر ہے چنانچہ سلسلہ جنبانی کی گئی۔ ریاست نظام کا قانون یہ تھا کہ بیوہ کا نکاح ثانی ہو جانے پر اس کا منصب جو ریاست سے ملتا تھا، بند ہو جاتا تھا مگر عین عالم شباب میں بیوہ ہو جانے کے معاملے کی نزاکت کو زیادہ اہمیت دی گئی حضرت سائلؔ صاحب اپنی پہلی بیوی احمدی بیگم کو طلاق دے چکے تھے بنا بریں ان کے ساتھ نکاح کر دیا گیا۔ ادھر حضور نظام کو داغؔ صاحب نے

[1] اس واقعہ کے راوی محمد یعقوب خاں صاحب ہیں جو کٹرہ بجاریاں (متصل یونانی دواخانہ) میں رہتے ہیں۔ [2] صیغہ نذر

لکھا کہ خادم زادی جو ممتاز الدین احمد خاں کی بیوہ ہے چونکہ عالم جوانی میں بیوہ ہو گئی ہے اس لئے معاملے کی نزاکت کو محسوس کر کے اس کے جیٹھ سراج الدین احمد خاں سائل سے اس کا نکاح کر دیا گیا ہے اس کے منصب کے بارے میں جو کچھ بندگان عالی کا حکم ہو وہ تسلیم ہے۔"

حضور نظام نے تمام ممالک محروسہ میں حکم جاری کر دیا کہ بیوائیں اپنا نکاح ثانی کر سکتی ہیں ان کا منصب جاری رہے گا یہ امر حضور نظام کی غربا پروری اور خاص کر استاد نوازی کی ادنیٰ مثال ہے۔ حضرت داغ کے معاملے میں حضور نظام جس فراخدلی اور عزت افزائی کا ثبوت دیتے تھے اس کو شیفتگی اور عشق کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

یہ نکاح ثانی ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ اس وقت سائل صاحب کی عمر تقریباً ۳۴ سال اور بیگم صاحب کی عمر تقریباً ۱۹ سال تھی۔ مرزا ناصر الدین نے سائل صاحب کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کرنی شروع کی جب حضرت داغ کا ۱۹۰۵ء میں انتقال ہوا تو کچھ عرصے کے بعد سائل صاحب۔ مع اہل و عیال کے دہلی چلے آئے۔

نواب شہاب الدین احمد خاں کی صاحبزادی جو اپنے چاروں بھائیوں سے چھوٹی تھیں جن کا نام اختری بیگم تھا یہ نواب سر امیر الدین احمد خاں (عرف فرخ مرزا) بن نواب علاء الدین احمد خاں کو منسوب تھیں[1]۔

ان کے چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں مجھے معلوم ہیں۔ نواب معز الدین اکبر مرزا (جن کی ولادت ۱۸۶۹ء اور وفات ۱۹۰۰ء میں ہوئی) نواب اعز الدین اعظم مرزا (جن کی ولادت ۱۸۸۹ء کی ہے اور وفات ۱۳۴۶ھ قدم شریف میں مدفون ہیں) نواب اعزاز الدین شاہرخ مرزا (جن کی ولادت ۱۸۸۶ء کی ہے) نواب اعتزاز الدین ہمایوں مرزا موجودہ فرمانروائے ریاست لوہارو نواب امین الدین احمد خاں

[1] یہ حالات میں نے کچھ اپنی سابقہ معلومات سے اور کچھ محترمہ اسانی صاحبہ سے دریافت کر کے لکھے ہیں۔

ثانی نواب اعز الدین اعظم مرزا کے خلف رشید ہیں۔

فخری بیگم زوجہ نواب مانگرول بلقیس بیگم زوجہ نواب احمد نواز خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں شہر بانو بیگم زوجہ نواب ابراہیم علی خاں نواب پاٹودی مہر بانو بیگم زوجہ نواب قطب الدین خاں محمد نواب افتخار علی خاں موجودہ والی پاٹودی ابن نواب ابراہیم علی خاں ہیں۔

یہ جناب سائل صاحب کی بھانجی شہر بانو بیگم کے صاحبزادے ہونے کے لحاظ سے سائل صاحب کے نواسے ہوتے ہیں اختری بیگم زوجہ نواب سراج الدین کا انتقال محرم ۱۳۲۹ھ میں ہوا قدم شریف دروازے کے دائیں جانب اونچے چبوترے پر مدفون ہیں۔

نواب ابوالمظفر مرزا سراج الدین احمد خاں سائل کی ولادت | کس کو معلوم تھا کہ اس دودمانِ عالی کی روایات کو زندہ رکھنے کے لئے ایک ایسا گوہر نایاب ظاہر ہونے والا ہے جس کی آب وتاب سے ایوان مجد و شرافت اور قصر شعر و سخن جگمگا اٹھیگا اور کس کو معلوم تھا کہ اجڑی ہوئی دلی میں ایک ایسا ماہتاب طلوع ہوگا جو دہلی کی تاریخی تہذیب و تمدن متانت و شائستگی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے تمام ہندوستان کو روشن کردیگا اور جو صحیح طور سے نیر رخشاں کا جانشین اور نمونہ ہوگا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دس سال کے بعد مورخہ ۲۰ شوال ۱۲۸۳ھ م ۱۸۶۷ء کو نواب ضیاء الدین احمد خاں کے گھر پوتا پیدا ہوا اور اس شہسوار میدانِ سخن نے مغل تاجدار کی ہمنامی کا شرف حاصل کیا۔ یعنی مرزا سراج الدین احمد خاں نام پایا۔

کلیات غالب فارسی میں ایک قطعہ ہے۔

درخشید از سپہر جاہ ما ہے | بفرخ طالع و فرخندہ ہنگام
زہے چشم و چراغ دودۂ حسن | کہ افزاید فروغ دین اسلام
سراج الدین احمد خاں بہادر | نہادند اختر رخشندہ را نام

ہمیں نام ست تاریخ ولادت — خوشا نام آور شائستہ فرجام
خدایا اندریں گیتی کہ آنرا — نداند جز تو کس آغاز و انجام
رسد تا قطرہ زن ابر از پئے باد — شود تا جلوہ گر صبح از پس شام
نگہدار ایں ہمایوں نامور را — نشاں مند نشاط و عیش و آرام

مرزا غالب کے قطعے سے معلوم ہوتا ہے کہ "سراج الدین احمد خاں بہادر" مادۂ تاریخ ہے مرزا غالب کے مصرعے سے اعداد ۱۲۷۵ نکلتے ہیں۔ بقول حضرت سائل صاحب ان کا مادۂ تاریخ ولادت "مرزا سراج الدین احمد خاں" ہے جس سے تاریخ ولادت ۱۲۸۰ھ نکلتی ہے لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قطعہ جناب سائل مرحوم کی ولادت کے موقع پر کہا گیا ہے یہی وہ ہونہار اور کریم بن الکریم تھا جو نشو ونما پا کر سائل بنا اور دہلی کی شرافت و تہذیب اور شعر و سخن کی دولت تقسیم کی۔ ابھی پانچ سال کی عمر تھی کہ والد محترم نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب کا ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہو گیا اور جب ۲۲ سال کی عمر ہوئی شفیق دادا نے بھی منہ موڑا۔

سلسلۂ نسب یوں ہے: - نواب سراج الدین احمد خاں سائل بن نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب بن نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں بن نواب احمد بخش خاں جاگیردار ریاست لوہارو بن عارف جان بن خواجہ ضیاء جان بن خواجہ نعمت اللہ بن خواجہ عبد الرحمٰن۔ یہ سلسلہ نسب خواجہ احمد یسوی سے جا ملتا ہے جو مشائخ کبار میں سے تھے۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں کی نگرانی میں تعلیم و تربیت شروع ہوئی اور فارسی کی درسیات نواب مرحوم سے سبقاً پڑھیں[1] مولوی قاسم علی اتالیق مقرر ہوئے ان سے بھی درسیات پڑھیں[2] اور عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا ڈپٹی نذیر احمد سے پڑھیں[3] فنی کتب علم عروض و گرامر وغیرہ مرزا اسد اللہ غالب

[1] ازیادداشت قلمی مرزا بشیر الدین احمد خاں بتوسط نواب خسرو مرزا [2] خمخانۂ جاوید [3] اوراق گل [4] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۱۹۵

گورگانی سے پڑھیں اور کلام کی اصلاح لی اور حکیم عبدالمجید خاں سے حکیم اجمل خاں کے ساتھ طب کی کچھ ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔

مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (جو ابتداءً پنجابی کٹرے کی مسجد اورنگ آبادی میں درس حدیث دیتے تھے اور ۱۸۵۷ء میں پنجابی کٹرے کے برباد ہوجانے پر پھاٹک حبش خاں میں ان کا فیض جاری رہا مولانا کی وفات رجب ۱۳۲۰ھ میں ہوئی)[1] سائل صاحب نے ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر حدیث کی سماعت بھی کی ہے۔ خوشنویسی کی مشق نواب مولوی رضی الدین احمد خاں دہلوی شاگرد میر پنجہ کش دہلوی سے کی اور ایسا کمال پیدا کر لیا کہ اس شان کا خط کہیں دیکھنے میں نہ آیا

تخلص کے بارے میں نواب احمد سعید خاں طالب (عم محترم حضرت سائل صاحب) اور دیگر حاضرین مجلس ایک روز سرگرم فکر تھے اس اثناء میں ایک شریف اور سوالی صورت انسان نے آکر سلام کیا۔ تشریف آوری کا سبب معلوم کرنے پر آنے والے صاحب نے عرض کیا کہ "سائل ہوں"، چنانچہ اسی لفظ سائل کی طرف توجہ منعطف ہوئی قرعہ ڈالا گیا اور جواب حسب مراد حاصل ہوا

تاج ازشد جام غالب ماہ داغ   سائل اندر کاسہ دارد سہ چراغ

ایک عجیب و غریب واقعہ اپنے بچپن کا راقم الحروف کو سنایا کہ جب میری عمر چار پانچ برس کی تھی دادا مرحوم کے پاس ایک ماہر جوتشی کسی غرض سے آیا تھا اس نے مجھے کئی مرتبہ غور سے دیکھا۔ دادا نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے اس بچہ کو آپ حیرت آمیز نگاہوں سے کیوں دیکھ رہے ہیں اس نے کہا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر جوت پر فخر کرے گا تمام حاضرین کو تعجب ہوا اور جوتشی کی بات کو لغو سمجھا گیا۔ دس بارہ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا اور جتنی شعر و سخن سے دلچسپی بڑھتی گئی لوگوں کو جوتشی کی بات کا یقین ہوتا گیا۔

---

[1] حیاۃ النذیر۔ [2] غالب از مہر۔ [3] تخلص کا واقعہ محب محترم نہال سیوہاروی کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے۔

سائل صاحب دہلی میں مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی سے اصلاح لیتے رہے ارشد فیروز پور میں ملازم تھے اور آخر عمر میں کچھ ملالت اور ضعف کی وجہ سے ترک ملازمت کر کے ملتان میں اپنے بڑے صاحبزادے مرزا ابد اختر رشید کے پاس چلے گئے تھے اور وہیں ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا ادھر یہ صورت پیش آئی کہ سائل صاحب حیدر آباد چلے گئے اور تقریباً ۱۹۰۱ء میں داغ مرحوم کے شاگرد ہو گئے[1]۔

اس سلسلے میں مناسب ہوگا کہ حضرت سائل کے اساتذہ کے کچھ مختصر حالات بھی پیش کر دوں۔ اساتذہ میں سے[2] وہ اساتذہ جن سے زیادہ استفادہ کیا ہے چار ہیں۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں مولوی قاسم علی۔ مرزا عبد الغنی ارشد[3] اور داغ مرحوم کے مختصر حالات پیش کرتا ہوں:۔

مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی

بارہ دری خواجہ میر درد کوچہ چیلان میں ارشد مرحوم کی سکونت تھی اب ان کی اولاد یہیں سکونت پذیر ہے ان کے پوتے مسٹر رضی الدین راقم کے خاص محب اور مخلص دوست ہیں۔

ارشد مرحوم نواب کاشف سلطان بیگم بنت ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ کے نواسے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے صاحب عالم مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی بن مرزا علی بہادر بن شاہزادہ دلاور شاہ بن حضرت احمد شاہ بادشاہ ابن حضرت محمد شاہ بادشاہ آپ کی پیدائش قلعۂ معلیٰ میں ہوئی چھ سات برس کی عمر میں ہنگامۂ ۱۸۵۷ء پیش آیا اور پھر آپ باہر دلی میں رہے وہیں درسی کتابیں پڑھیں اور سررشتۂ تعلیم پنجاب میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے لاہور میں قیام رہا پھر زیادہ عرصہ فیروز پور میں جہاں آپ فارسی کے ہیڈ مولوی تھے بسر ہوا۔ شاعری کی ابتدا بچپن سے ہو گئی تھی۔ مرزا قادر بخش صابر مرحوم رشتے میں آپ کے ماموں ہوتے تھے۔ انھیں علاوہ زبردست استعداد عربی و فارسی علم عروض پر ایسا عبور تھا کہ اس فن میں مستند سمجھے جاتے تھے اور فن شعر میں بھی مسلم الثبوت استاد

[1] بقول حضرت نوح ناروی مدظلہم العالی

[2] فصیح الملک جناب داغ۔ اول الذکر تو جد محترم تھے اور ثانی الذکر سلسلے میں انکا ذکر مفصل آچکا ہے۔ مولوی قاسم علی صاحب کے حالات مجھے معلوم نہ ہو سکے البتہ ارشد مرحوم

تھے صابر مرحوم کے بڑے صاحبزادے مرزا عمر سلطان معروف بہ مرزا قیصر بخت فروغ بنارس میں شادی ہو جانے کے باعث (نیز وہاں کے انسپکٹر مدارس بھی تھے) بنارس میں رہتے تھے اگرچہ مرزا صابر بھی وہاں آتے جاتے تھے مگر اُن کا زیادہ تر قیام دہلی میں رہتا تھا مرزا ارشد سے انھیں خاص اُنس تھا ان کی ذکاوت تیزی اور رسائی فکر کو دیکھ کر جان گئے کہ خدا نے اسے غیر معمولی دماغ دیا ہے (جو) قابل تربیت پاکر ان کی تربیت اور اصلاح میں کوشاں ہوئے پھر کیا تھا ابتداء میں ہی ایسے شعر نکلنے لگے کہ اُستاد پھڑک گئے۔ ابتدائی زمانے میں بھی یہ حال تھا کہ ایک غزل سو ڈیڑھ سو شعر کی کہہ دیتے تھے۔ اور ایک قافیے کو بیس بیس طرح باندھتے تھے۔ یہ طالب علمی کے زمانے کی کیفیت ہے کہ مدرسے میں اور لڑکے جس سبق کو گھنٹوں رٹتے یہ چند منٹ کی توجہ میں یاد کر لیتے اور ہمیشہ جماعت میں اعلیٰ رہتے اس اثنا میں مرزا صابر بنارس تشریف لے گئے۔ اور چند ہی روز اصلاح کا سلسلہ جاری رہا وہاں سے لکھ بھیجا کہ اب تم بجائے خود استاد ہو تمہیں اصلاح کی احتیاج نہیں مرزا صابر مرحوم ان پر ناز کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ساری عمر کی کمائی دو شاگرد ہیں ارشد اور فروغ۔

مرزا صابر کے بعد چند سبق مولوی احسان الرحمٰن خاں معروف بہ شجیلے آکا سے لئے پھر انھیں کی تحریک سے امراؤ مرزا انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تکمیل فارسی کے بعد پہلا قصیدہ عرفی کے قصیدے (دہان علم زبان علم) پر لکھا اور خواجہ عالی کے ہمراہ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے سن کر بہت داد دی۔ جب تک دہلی میں رہے سیف الحق ادیب مرزا حسین علی خاں شاداں (شاگرد غالب مرحوم) مرزا انور مرزا فروغ مرزا داغ کے ساتھ مشاعروں میں غزلیں پڑھتے رہے اور کسی سے کم نہیں رہے ایک خصوصیت یہ تھی کہ جیسا اچھا کہتے تھے ویسا ہی اچھا پڑھتے بھی تھے جملہ اصناف سخن پر قادر ہونے کے علاوہ طبیعت

ہر وقت حاضر رہتی تھی۔ تاریخ میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ کوئی خاص وقت فکر سخن کے لئے متعین نہ تھا جس وقت چاہتے تھے اور جس مضمون پر لکھنا ہوتا قلم برداشتہ تھوڑی سی دیر میں بہت کچھ لکھ ڈالتے تھے اکثر جلسوں کے لئے طویل نظمیں ریل کے سفر میں لکھ لیتے تھے۔ ایک اور قابل حیرت بات یہ ہے کہ جس طرح قدیم ذوقِ شاعری رکھتے تھے اسی طرح جدید نیچرل شاعری میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ ہمیشہ خوش رہتے اور دوستوں کو خوش رکھتے۔ زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سرکار بہاولپور سے بصلہ مدح گستری دوسو روپئے سالانہ آپ کو ملا کرتا تھا۔ انجمن اسلامیہ لاہور کے سالانہ جلسوں میں پندرہ سال تک برابر شریک ہو کر سامعین کو محظوظ فرماتے رہے۔ جن بزرگوں کی کوشش سے پنجاب میں اردو کی اشاعت ہوئی ان میں آپ درجۂ اختصاص رکھتے ہیں۔

مرزا صاحب سال بھر سے زیادہ علیل رہنے لگے تھے چنانچہ رخصت لے کر دہلی گئے مگر تھوڑے ہی دنوں بعد پھر فیروز پور جانا پڑا آخر اپنے بڑے بیٹے مرزا بلند اختر رشید کے پاس جو ملتان میں ریل کے دفتر میں نقشہ نویس تھے چلے گئے۔ اور وہیں ۸۰ برس کی عمر میں ۲۱ فروری ۱۹۰۶ء کو انتقال کیا۔

آپ کے تلامذہ تو بکثرت تھے۔ مگر ہم چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں:— نواب سراج الدین احمد خاں بہادر سائل۔ نواب ممتاز الدین احمد خاں بہادر مائل۔ منشی احمد حسین خاں احمد۔ ڈاکٹر محمد اقبال۔ بسمل۔ بزمی گورگانی[1]

فصیح الملک داغ دہلوی | فصیح الملک نواب میرزا خاں داغ احسن مارہروی کی تحقیق کے مطابق نواب شمس الدین احمد خاں رئیس لوہارو و فیروز پور جھرکہ کے فرزند ہیں اور نواب شہاب الدین احمد خاں

لہ خمخانۂ جاوید جلد اول۔ کلام کا انتخاب بھی خمخانہ میں ہی ملاحظہ فرمایئے۔

ثاقب کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس وجہ سے حضرت سائل مرحوم ان کو چچا جان کہتے تھے۔

جناب داغ مورخہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۸۳۱ء روز چہار شنبہ محلہ بلیماران دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ برس کی عمر تھی کہ نواب صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا پھر اُن کی والدہ نے آخری مغل بادشاہ کے ولیعہد فتح الملک مرزا فخر الدین رمز عرف مرزا فخرو کے دامن عاطفت میں پناہ لی اور نواب شوکت محل کا خطاب پایا۔ اس طرح داغ کو قلعہ معلی میں علوم وفنون کی تکمیل کا عمدہ موقع مل گیا۔ یہ غالباً ۱۸۴۴ء میں ہوا۔

ابتدائی تعلیم مولوی غیاث الدین رامپوری مؤلف غیاث اللغات سے حاصل کی اور قلعہ معلی میں مولوی سید احمد حسین بن میر غلام حسین شکیبا جو میر تقی کے تلمیذ تھے داغ کے اتالیق مقرر ہوئے خوشنویسی میر پنجہ کش اور ان کے شاگرد مرزا عبداللہ بیگ سے حاصل کی فنون سپہگری ولی عہد بہادر سے حاصل کئے ان کی طباعی اور ذہانت سے متاثر ہو کر انکو استاد ذوق کے سپرد کیا گیا تاکہ دیگر فنون کی طرح شعر وسخن کا کمال بھی حاصل کریں۔ داغ کا بچپن اور عنفوان شباب کا زمانہ قلعہ معلی میں ہی بسر ہوا اور وہیں کی ادبی فضا میں پرورش پائی۔ مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ ولی عہد کی وجہ سے بالعموم لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔

مرزا خورشید عالم بن ولی عہد مرزا فخرو داغ صاحب کی والدہ کے بطن سے تھے اور حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں مرزا خورشید عالم بھی حیدرآباد میں تھے مرزا فخرو کے انتقال کے بعد داغ صاحب کی والدہ نے ایک انگریز (غالباً فریڈرک) کے ہاں پناہ لی اور ان سے شاغل صاحب پیدا ہوئے جن کے صاحبزادے امراؤ مرزا نادان یعنی داغ صاحب کے بھتیجے حیدرآباد میں داغ صاحب کے پاس ہی رہتے تھے۔ انتہا درجے کے میخوار اور فضول خرچ تھے ۱۸۵۶ء میں ولیعہد کا انتقال ہوا داغ کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہوا۔ اس کے دس ماہ بعد ہنگامہ ۱۸۵۷ء پیش آیا۔ اور ۲۴ برس کا زمانہ

جو عافیت کے ساتھ گذر ا تھا ختم ہوا۔ داغ اپنے اہل و عیال کے ساتھ رامپور چلے گئے۔ نواب یوسف علی خاں والیِ رامپور نے قدردانی کی اور اپنے صاحبزادے نواب کلب علی خاں کا مصاحب مقرر کیا۔ نواب کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں نے بھی اپنا ہی طرز عمل رکھا اور اپنا مصاحبِ خاص مقرر کیا۔ دہلی میں جب نواب یوسف علی خاں مرزا فخرو ولی عہد کے مصاحب تھے تو داغ اور کلب علیخاں کا بچپن کا زمانہ ساتھ ہی گذرا تھا اس تعلق کو نواب نے آخر تک نبھا دیا۔ نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد ۱۸۸۶ء میں کونسل کا تقرر ہوا۔ جنرل اعظم الدین خاں سے ان کی نہ بنی اور رامپور کو خیرباد کہہ کر دہلی چلے آئے۔ پھر ۱۳۰۵ھ م ۱۸۸۸ء میں حیدرآباد چلے گئے چند روز محلہ شیدی عنبر میں سیف الحق ادیب دہلوی کے ہاں اور پھر ان کے متصل ایک مکان میں مقیم ہوئے راجہ گردھاری پرشاد بہادر عرف مبنی راجہ باقی کی معرفت پیشگاہ سلطانی میں عرضی بھیجی پہلا قصیدہ مدحیہ جو آپ نے میر محبوب علی خاں نظام دکن کی شان میں لکھا اس کا مطلع یہ ہے:۔

سرمۂ چشم غزالاں ہوئی گردِ دامن میں ہوا بادیہ پیما طرفِ ملکِ دکن

پھر دہلی چلے آئے اور نواب موصوف کی طلبی پر دوسری بار حیدرآباد گئے۔ ۱۳۰۸ھ میں نظام نے اپنا استاد مقرر کیا۔ ۱۳۱۱ھ تک ساڑھے چار سو روپیے ماہوار تنخواہ ملتی رہی۔ پھر ۱۳۱۲ھ میں ایک ہزار روپیے ماہوار ہو گئی اور آخر عمر میں پندرہ سو روپیے حالی ہو گئی تھی۔

داغ مرحوم نے حیدرآباد میں ۱۸ برس نہایت عزت و احترام اور آرام و راحت کے ساتھ گذار کر ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ م ۱۷ فروری ۱۹۰۵ء کو آٹھ روز مرضِ فالج میں مبتلا رہ کر بعمر ۷۶ سال رحلت فرمائی اور عید کے دن نماز عید کے بعد مکہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ پھر یوسف صاحب شریف صاحب کی درگاہ میں دفن کئے گئے اسی درگاہ میں داغ صاحب کی اہلیہ اور حضرت امیر مینائی مرحوم بھی مدفون ہیں[۱]۔

(باقی آئندہ)

[۱] جلوۂ داغ۔ داغ از نوراللہ (وغیرہ)